کربل کتھا فضلی

علامہ سید مجتبیٰ حسن کامونپوری صاحب قبلہ

واقعہ کربلا کے درد و اثر نے ہزاروں لاکھوں شاعروں خطیبوں، ادیبوں اورفن کاروں کی روح، فکر وذہن کو متاثر کیا۔ بے شمار انسان اس واقعہ کے اظہار و بیان اور اس سے کسی نوعیت کی نسبت کی وجہ سے روشناس ہو گئے۔ مختلف علوم وفنون خاص طور پر کئی زبانوں کے شعبہ ادب پر اس نے بہت گہرا اثر ڈالا۔ عربی وفارسی و اردو کے قلمرو ادب پر اس نے حکمرانی کی۔ نظم ونثر کو اس نے سوز درد اور اسلوب کی بے مثال دلکشی عطا کی۔

شاید ہی کوئی صنف ادب ہو جس میں اس نے رسوخ نہ پیدا کیا ہو۔ مرثیہ، سلام، نوحہ اور ماتم اصناف سخن تو اپنے نام سے مشہور ہیں۔ کہیں کہیں غزل کا سوز وکرب بھی اس سے مستعار ہوتا ہے۔

جن خوش قسمتوں نے اس واقعہ کی بقا ودوام کی عزت حاصل کی ان کی سنہری فہرست میں فاضل جلیل خطیب اعظم کمال الدین ملا حسین واعظ کاشفی م ۹۱۰ھ کا بھی شمار ہے۔ موصوف نے بڑے دردوسوز وکرب وخلوص سے اس واقعہ کو پیش کیا ساری دنیا میں اس کتاب نے شہرت حاصل کی۔ یورپ ایشیا کے کتب خانوں میں اس کے بے شمار نسخے، خلاصے اور ترجمے محفوظ ہیں۔ ہندوستان کے منبروں پر بھی عرصہ تک اسی کتاب نے حکومت کی ہے۔ فارسی میں اس کے خلاصے پڑھے جاتے تھے جسے روضہ خوانی کہتے تھے۔ ہندوستان نے بھی اس کتاب کی بڑی قدر کی۔ نظم ونثر میں اس کے ترجمے کئے گئے تاکہ ملک کے ہر طبقے تک یہ واقعہ پہنچ جائے۔

فضل علی فضلی مولود ۱۱۲۲ھ نے ۱۱۴۵ھ میں محمد شاہ رنگیلے اوراس کے بیٹے احمد شاہ نے اس کا نثر میں ترجمہ کیا، جس کا نام کربل کتھا ہے، اس کو اس وقت کچھ تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

شاعروں کی بے چین روح نے روضۃالشہداء کو دردوسوز کا خزانہ پایا۔ واقعہ کربلا نے شیدایان حریت اور قدردانان انقلاب اسلامی اور عشق اہلبیتؑ کے امانت داروں کو ایک ایسا سوز ودرد عطا کیا ہے جس کا اظہار وہ، اشک باری آہ وفریاد، احتجاج اور ظلم کے خلاف اظہار نفرت (سے) کرتے ہیں۔ ان کے باطنی سوز وگداز کو اظہار کے لئے نظم ونثر اور خطابت سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہندوستانی عزاداروں کو روضۃ الشہداء نے اپنے فن کو سوز ودرد سے مالامال کرنے کا موقع دیا۔ شعراء، ادیب اور ذاکر اور روضہ خوان ادھر جھک پڑے۔

۱۰۱۲ھ میں عادل شاہ ثانی کے معاصر گلبرگہ کے شاعر نے دکنی نظم میں ترجمہ کیا۔ ۱۱۳۰ھ میں سید محمد ضامن نے دکنی نظم میں ترجمہ کیا۔ سید محمد فیاض (ضامن) دکن میں سات گڑھ کے نواب کے درباری تھے۔ پھر علاقہ مدراس کے صوبے دار کے مصاحب ہو گئے جس نے اس کو قلعہ سدھوٹ کا نگراں بنادیا۔ اس میں دس مجلسیں تھیں، اس لئے اس کو 'دہ مجلس' کہا جانے لگا۔ اس میں جناب رسولؐ خدا سے امام حسینؑ کی شہادت تک کا ذکر ہے۔ ولی کی روضۃ الشہداء کے بعد دکن کے مرثیہ گویوں کو مثنوی کے ذریعہ سے واقعہ کربلا کے بیان کے لئے ایک وسیع میدان مل گیا۔ عبداللہ بن حافظ مطلبی نے سیف بن ظفر کی فارسی منثور کتاب دُرِ مجالس کا دکنی نظم میں ترجمہ کیا جس میں ۲۳ باب ہیں۔ حضرت آدمؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ وعیسیٰؑ کے واقعات

ابتدا کے چھ ۶ ابواب میں نظم کئے ہیں، اس کے بعد آنحضرتؐ کے حالات ہیں۔ آخری باب میں امامؑ کی شہادت کا بیان ہے۔

محمد باقر آگاہ ابن محمد مرتضیٰ ویلوری مولود ۱۱۵۸ھ-۱۲۲۰ھ نسلاً عربی تھے بیجاپور میں رہتے تھے۔ اس کی تباہی کے بعد ویلور چلے آئے تھے۔ محمد باقر والا جاہ کے امیر خاص تھے۔ موصوف نے ۱۲۰۷ھ میں مثنوی ریاض الجنان لکھی جس میں اہلبیتؑ کے فضائل مفصل اور مصائب امام حسینؑ مختصر نظم کئے۔

روضہ ہندی محکم تخلص کے ایک شاعر کی مثنوی ہے جس میں بارہ مجلسیں ہیں۔ بظاہر روضۃ الشہداء کاشفی کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ ۱۲۱۷ھ میں نظم کی **روضۃ الشہدا** میر حسین جعفری شاعر کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں واقعات کربلا پر دس مجلسیں ہیں میر نوازش۔ علی خان شیدا مولود ۱۱۴۵ھ م ۱۲۱۰ھ نے روضۃ الاطہار مثنوی لکھی، اس میں ۱۲ مجلسیں ہیں، ۱۱۷۳ھ میں تصنیف کی۔ اس میں بارہ مجلسیں ہیں۔ آنحضرتؐ سے امام حسینؑ تک ہر معصوم کی شہادت کا تفصیلی بیان ہے۔

دہ مجلس میر عالم نے ۱۲۳۳ھ میں نظم میں لکھی۔ حیدر بخش حیدری دہلوی نے ۱۲۳۸ھ میں **گلشن شہیدان** کے نام سے اس کی تلخیص کی۔ محمد فاضل نے ۱۲۴۲ھ میں دہ مجلسیں نظم میں لکھیں۔

عطا نامی ایک دکنی شاعر نے **دوازدہ مجلس** کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں آنحضرتؐ سے امام حسینؑ کی شہادت تک واقعات لکھے۔ ہر مجلس میں واقعات شہادت نثر میں بیان کئے۔ آخر میں دس پندرہ شعر کا مرثیہ اور ایک رباعی شامل ہے۔

عبداللہ اور علاء الدین نے ۱۲۸۲ھ میں **روضۃ الشہداء** کا ترجمہ کیا۔ منشی احمد علی نے بھی ترجمہ کیا۔ حامد علی خاں نے **دہ مجلس** کے نام سے خلاصہ کیا۔ عہد آصف الدولہ میں ہر پرشاد نے **دہ مجلس** کے نام سے ترجمہ کیا۔

(محرم نامہ، ادارہ سب رس ۱۳۵۸ھ حیدرآباد دکن و مقدمہ کربل کتھا ڈاکٹر آرزو صاحب)

فضلی کی کربل کتھا نے کافی شہرت پائی۔ فضلی نے اس کتاب کا محرک نواب شرف علی خاں کو لکھا ہے۔ نواب شرف علی خاں شیعہ امیر تھے۔ فضلی لکھتے ہیں: نواب شرف علی تعزیہ دار سید الشہداء ہیں۔ ہر سال تعزیہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا بخلوص نیت اندرون محل مخفی بموجب حدیث شریف کہ "**التقیۃ دینی و دین ابائی و التقیۃ جُنّۃ بوجہ احسن**" بجالاتا تھا اور بندہ پر تقصیر حسب ارشاد قبلہ گاہ کے خلاصہ روضۃ الشہداء کا سناٹا پُر (سناتا) تھا لیکن معانی اس کے فساد (نساء) عوارات کی سمجھ میں نہ آتے تھے۔ عورتوں کا اصرار ہوا کہ اس کا اردو میں ترجمہ ہوجائے تاکہ سب سمجھ کر اس غم میں آنسو بہائیں۔

فضلی نے روضۃ الشہداء کو سامنے رکھ کر اردو میں اس مفہوم و مقصد کو ادا کر دیا۔ لفظی ترجمے کی پابندی نہیں کی بلکہ حسب ضرورت کمی و اضافہ بھی کیا۔ ۱۱۴۵ھ میں ترجمہ کیا ۱۱۴۵ھ ہی میں نظر ثانی کی۔ اس کتاب نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء میں اس کتاب کا قلمی نسخہ ہندوستان سے باہر چلا گیا تھا۔ ایک صدی کے بعد ڈاکٹر آرزو صاحب، صدر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی کوشش سے یہ جلاوطن نسخہ پھر اپنے وطن میں آگیا۔ اور بڑی آب و تاب سے طبع و اشاعت کی منزل سے گزر کر جلوہ گر ہوا۔ ادیب جلیل جناب مالک رام صاحب اور ڈاکٹر آرزو صاحب نے اس نسخہ کی تصحیح و تحشیہ و مقدمہ نگاری و فہرست سازی میں بڑی سخت محنت و کاوش سے کام لیا۔

کربل کتھا میں بارہ مجلسیں ہیں: (۱) جناب رسولؐ خدا (۲) حضرت فاطمہ زہراءؑ (۳) حضرت علیؑ (۴) حضرت امام حسنؑ کا ذکر ہے۔ (۵) شہادت حضرت مسلمؑ (۶) فرزندان مسلمؑ کی شہادت (۷) احوال میدان کربلا اور شہادت حضرت حرؑ (۸) شہادت حضرت قاسمؑ (۹) شہادت حضرت عباسؑ (۱۰) شہادت حضرت امام حسینؑ (۱۱) خاتمہ کربل کتھا شمالی ہند میں اردو نثر کی اولین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ دہلوی زبان کا یہ پہلا نقش ہے۔ اس وقت تک یہاں کے

کسی مصنف کی اس سے قدیم تر نثر میں کوئی تخلیق دریافت نہیں ہوئی ہے۔ اس کی زبان اگرا چھی خاصی ترقی یافتہ ہے، تاہم ابھی اس کے اصول وقواعد مرتب نہیں ہوئے تھے۔

کربل کتھا بڑی گراں قدر کتاب ہے اس مختلف نقطۂ نظر سے بحث ونقد کے بہت سے انکشافات ہوئے ہیں۔ جناب ڈاکٹر آرزو صاحب نے مقدمہ میں اس کے محاسن ونقائص پر کافی بحث کی ہے۔ مترجم ومصنف سے جو غلطیاں ہوگئی ہیں، ان میں اکثر کی نشان دہی بھی کی ہے، مثلاً کمرأدیم کو فضلی نے کمرادم پڑھا اور غلط ترجمہ کیا اور اعمش (سلیمان بن مہران) ان کے نسخے میں غالباً عمش تھا اور فضلی نے اس کا ترجمہ چچا کر دیا۔ امید کہ دوسرے ایڈیشن میں اس پر اور مزید روشنی پڑے گی۔ اور زیادہ مکمل ہوجائیں گے اور روایت ودرایت سے کل مقامات روشنی میں آجائیں گے۔

فضلی نے دوسری فصل ۲۳۳ میں سفینہ جناب کو آنحضرت کی کنیز لکھ دیا ہے اور اس کی 'ت' کو تاء تانیث سمجھے، حالانکہ یہ طلحہ کی طرح مرد کا نام ہے اور یہ جناب رسولؐ خدا کے مشہور صحابی وغلام تھے جس کا ذکر صحابہ (اصحاب) وغیرہ میں ملتا ہے۔ کربل کتھا ادارۂ تحقیقات اردو، پٹنہ سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

❁❁❁

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کربلا سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے قربانی کا

کردیں جن کے وہ امانتدار تھے اور جو انہیں اپنی زندگی سے زیادہ عزیز تھیں اور اس کا دوسرا رخ بھی بالکل صاف تھا کہ اگر یہ بات ممکن نہ ہوسکے تو پھر آپ ہر اُس مصیبت اور آفت کو برداشت کریں جو ممکن ہوسکتی ہے۔ امامؑ عالی مقام اپنے فرض کو پوری طرح پہچانتے تھے، وہ اسلام کے اصول اور اس کی سچائی کے امین تھے، وہ اس دور میں تحفظِ ناموسِ اسلام کے لئے نواسۂ رسولؐ اور امام ہونے کی حیثیت سے سب سے زیادہ ذمہ دار تھے، اس لئے انھوں نے اس بیعت کی طلب کو حقارت کے ساتھ ٹھکرادیا ضمیر کی آواز اور احساسِ فرض کی شدت اُن کے عزمِ محکم کی بنیاد تھی اور ان تمام خوفناک نتائج کے مقابلہ میں بہت زیادہ قوی تھی جو شکست کے بعد دشمن درندوں کے ہاتھوں میدان کارزار میں برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ آپ نے نسلِ انسانی کو اپنی اس عظیم قربانی سے یہ بات پوری طرح سمجھا دی ہے کہ اپنا ذاتی مفاد، اور عزیزوں اور دوستوں یا اپنی اولاد اور رشتہ داروں کے مفاد اور ان کا آرام وراحت، ان میں سے کوئی چیز بھی سچے اصول اور پاک نظریات کے بچاؤ کے مقصد کے سامنے کسی قسم کی بھی وقعت نہیں رکھتی۔ کیا تشدد اور ظلم کے ہاتھوں میں زنجیریں ڈالنے کے لئے امام حسینؑ کی قربانی سے زیادہ اہم کوئی مثال ممکن ہوسکتی ہے؟ اس کا جواب بالکل صاف ہے کہ ہرگز نہیں۔ اس قربانی نے بتادیا کہ بدی کا مقابلہ ہر قیمت پر کس طرح کیا جاسکتا ہے اور چند افراد ٹڈی دل لشکروں کے مقابلہ میں کس طرح دیانت اور حق کی حمایت کا فرض ادا کرسکتے ہیں۔

❁❁❁